© rasailojaraid.com

جہاد اور قیام امن

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر*

اسلام اور ایمان کا بنیادی مادہ سلامتی اور امن ہیں، گویا جو شخص دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے وہ خود بھی سلامتی کے دائرے میں آجاتا ہے اور دوسرے لوگ بھی اس سے سلامتی اور عافیت میں آجاتے ہیں۔ اس طرح ایمان کے حوالے سے بھی یہی معنیٰ بنتا ہے۔ ایمان قبول کرنے والا امن میں آجاتا ہے اور دوسرے لوگوں کو بھی امن و سلامتی فراہم کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"فمن قال لا اله الا اللّٰہ فقد عصم منی ماله و نفسه الا بحقه "(۱)

جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا اس نے اپنا مال اور اپنی جان کو محفوظ کرلیا، سوائے اس کے کہ اس نے کوئی ایسا جرم کیا ہو جس پر اس کا مال یا جان لینا ضروری ہوگیا ہو۔ عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، ''المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده "(۲) ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ، حضورؐ سے پوچھا گیا کہ کس شخص کا اسلام افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، "من سلم المسلمون من لسانه و یده" (۳) جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں اسی بات کو نبی کریم ﷺ نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں بھی بیان فرمایا تھا۔

اسی مضمون کو ایک حدیث میں ان الفاظ کے ساتھ بھی بیان کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ و قِتَالُهُ کُفرٌ"(٤)

''کسی مسلمان کو گالی دینا بڑا گناہ ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔''

ایمان، امان اور امانت ماخوذ ہیں۔ امن، امان اور امانت کا حقیقتِ ایمان کے ساتھ گہرا تعلق ہے، ایمان کی حقیقت، اور اس کا جوہر اس وقت حاصل ہوتا ہے، جب انسان سے دوسرے لوگ امن سے ہوں اور امن کی حالت میسر ہو۔ ایمان اور امن کا گہرا تعلق ہے اور اسلام اور سلامتی باہم ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔

ایمان، امن کی ضمانت ہے تو اسلام دینوی سلامتی ہے۔ ایمان اور اسلام ایک ایسا ماحول اور فضا مہیا کرتے ہیں، جس میں افراد، معاشرہ اور پوری دنیا حالتِ امن میں ہوسکتی ہے۔ جب ہر کوئی ایک دوسرے سے امن کی حالت میں ہوتا ہے تو ہر ایک کی جان و مال، عزت و آبرو، دوسرے کی دستبرد سے محفوظ ہوجاتی ہے۔(۵)

نبی اکرم ﷺ پیغمبر امن ہیں۔ آپ ﷺ نے مدینہ پہنچ کر جو پہلا خطبہ ارشاد فرمایا اسے امن و سلامتی کی دعا کے ساتھ ختم کیا، فتح مکہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے امن کی جو بنیادیں رکھیں ان کے بارے میں مولانا حامد الانصاری لکھتے ہیں:

---

* ڈائریکٹر شیخ زاید اسلامک سینٹر، جامعہ پنجاب، لاہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ پہلا دن تھا جب امن عالم کا آفتاب نصف النہار پر پہنچا اور اس کے بعد اسلام کے اچھے زمانے تک کبھی غروب نہیں ہوا۔ آپ کے عہد میں بدامنی کا دور دورہ تھا۔ آپ ﷺ نے اپنی حکمتِ عملی سے قبائل کو ایک قوم بنا دیا۔ جب آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے، اس وقت تمام عرب پر خدا کا امن چھایا ہوا تھا۔ تھامس آرنلڈ نے آپ کے پیدا کردہ امن کا ذکر کرتے ہوئے ایک دیہاتی عرب کا ایک بیان نقل کیا ہے کہ ''محمد ﷺ کی وفات پر افسوس! جب تک آپ زندہ تھے میں دشمنوں سے حفاظت اور امن میں تھا۔(٦)

آپ ﷺ کی حکمت عملی کے اولین مقاصد میں سے ایک مقصد لوگوں کو امن وسلامتی فراہم کرنا تھا۔

اسلام سے قبل عرب وعجم میں جنگ، نسلی تعصب، قبائلی فخر وغرور، حصولِ اقتدار، توسیع مملکت، ایک دوسرے کے خلاف انتقامی جذبات، دوسروں کے مقابلے میں طاقت کے مظاہرے، دوسروں کی جان و مال اور وسائلِ معیشت پر قبضہ کے لیے لڑی جاتی تھی۔ یہ جنگ فساد فی الارض تھی اور کسی مثبت اور تعمیری مقصد سے بالکل خالی تھی۔ اس کا مقصد صرف علاقہ فتح کرنا اور اپنی حکومت کو توسیع دینا ہوتا تھا۔ یہ نقشہ قرآن مجید نے یوں پیش کیا ہے:

﴿اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ﴾(٧)

یہ بادشاہ جب کسی بستی میں گھستے ہیں تو اسے تباہ و برباد کردیتے ہیں اور وہاں کے عزت والے لوگوں کو ذلیل کردیتے ہیں اور یہ لوگ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ اسلام نے اس تصور جنگ میں بنیادی تبدیلی کردی۔

اسلام نے ایک ایسی جنگ کا تصور دیا جو لوگوں کو امن وسکون اور بنیادی انسانی حقوق دلانے کا باعث بنتی ہے۔ اسلام کا تصور جنگ، متضاد جغرافیائی قومیتوں کی بنیاد پر لڑی جانے والی قومی جنگ سے بالکل مختلف ہے بلکہ یہ ایک نظریاتی جنگ ہے جو ان لوگوں کے خلاف لڑی جاتی ہے جو دین کو مٹانے کے درپے ہوتے ہیں۔

اسلام میں جہاد کا ایک عظیم مقصد یہ ہے کہ انسانوں کے درمیان نفرت واختلاف اور فساد پیدا کرنے والے تمام دعووں اور داعیات کو ختم کردیا جائے تاکہ عالم انسانی میں ہمہ گیر امن وسلامتی کا دور دورہ ہو اور دنیا کا ہر انسان پرسکون زندگی بسر کرسکے۔

اسلام سے پہلے پوری دنیا میں انسانوں پر انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین نافذ تھے۔ ایران، روم، عرب، سب جگہ شخصی اقتدار کا دور دورہ تھا۔ عرب میں قبائلی نظام نافذ تھا۔ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کے ذریعے استحصال اور ظلم کا نظام جاری تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جہاد کے ذریعے انسانوں کو انسانوں کے استبداد اور ظلم سے نجات دلائی۔ دنیا میں بے سکونی اور بے چینی اس وقت بھی پیدا ہوتی ہے جب شخصی اقتدار میں انسانوں کے حقوق پامال کیے جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو اللہ کے قانون کے تابع کرکے انہیں شخصی اقتدار سے نجات دلائی۔

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ ''دنیا میں سلطنتوں کے بانیوں کا مقصد قیام سلطنت کے سوا کچھ نہیں ہوتا لیکن اسلام جو سلطنت قائم کرنا چاہتا تھا وہ بجائے خود مقصود بالذات نہ تھی، بلکہ اس کے ذریعے سے دنیا کے تمام ظالمانہ نظام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہائے سلطنت کو مٹا کر جن میں خدا کے بندوں کو بندوں کا خدا ٹھہرا دیا گیا تھا، اس کی جگہ خدا کے فرمان کے مطابق ایک ایسا عادلانہ نظام قائم کرنا مقصود تھا جس میں اللہ کے سوا نہ کسی دوسری ارضی وسماوی طاقت کی سلطنت ہو اور نہ کسی دوسرے کا قانون رائج ہو، اور جس میں فرمانروا افراد کی شخصیت، قومیت، زبان، نسل، وطن اور رنگ سے اس کا تعلق نہ ہو، بلکہ اس کی جدو جہد کا سارا منشاء سلطنت کے قانون، طرزِ سلطنت، طریقِ حکومت اور عدل و انصاف اوراحکام کے حق باطل سے نہ ہو۔''

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ ''نبی کریم ﷺ نے ایک ایسی ریاست قائم کی جس میں انسانوں کوانسانوں کے بنائے ہوئے خود ساختہ قانون کی غلامی سے نکال کر قانون الٰہی کی اطاعت وفرمانبرداری میں دے دیا جائے اور بتایا جائے کہ قانون الٰہی کو چھوڑ کر دوسرے قوانین انسانی کی پابندی شرک کا دوسرا راستہ ہے۔'' (۸)

اسلام کے آغاز کے وقت جو حکومتیں قائم تھیں ان میں ایک فاتح ایک گروہ کو لے کر اٹھتا تو تباہی و بربادی پھیلا کر اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتا۔ اس خون ریزی کا مقصد شخصی سرداری، خاندانی برتری، یا قومی عظمت کا اظہار ہوتا تھا مگر اسلامی جنگ و جہاد میں اس طرح کی کوئی چیز پیش نظر اور مقصد نہ تھی۔ اس سلطنت کا مقصد بادشاہِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کی بادشاہی کا اعلان اور ایک فرمان الٰہی کے آگے سارے بندگان الٰہی کو جھکانا تھا۔(۹)

اس مملکت کے اصول یہ تھے۔

"ان الحکم الا اللّٰہ" بے شک حکم (قانون) صرف اللہ کا ہے۔(۱۰)

"الا له الخلق و الامر" (آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ ہی نے کائنات کو بنایا ہے اور اسی کا حکم چل رہا ہے)۔(۱۱)

"ان الا مر کله للّٰه "(کائنات میں حکم صرف اللہ کا ہے)(۱۲)

"له ملك السمٰوٰت و الارض" (کائنات کی بادشاہی اور حکومت اللہ ہی کا حق اور اختیار ہے اور اسی کا اختیار چل رہا ہے۔(۱۳)

رسول اللہ ﷺ کا جہاد قیام امن، حاکمیتِ الٰہیہ قائم کرنے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے قیام، مظلوموں کی حمایت، شیطانی نظام کے خاتمے اور ہر اس قوت کے خلاف تھا جو انسانوں کو ظلم کا شکار بنا تا ہو۔ اس سلسلے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"و مالکم لا تقاتلون فی سبیل اللّٰه و المستضعفین من الرجال و النساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من هذه القریة الظالم اهلهاوجعل لنا من لدنك و لیاء و اجعل لنا من لدنك نصیراً۔ "(١٤)

''بھلا کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان ناتواں مردوں اور عورتوں اور ننھے ننھے بچوں کے چھٹکارے کے لیے جہاد نہ کرو۔ جو اس طرح دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے رب ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات دے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ہمارے لیے خود اپنے پاس سے حمایتی اور کارساز مقرر کردے اور ہمارے لیے خاص اپنے پاس سے مددگار بنا۔''

گویا جہاد کا مقصد لوگوں کو ملوکیت اور استبداد اور استحصال سے نجات دلانا ہے۔ اسلام جس جہاد کا تصور پیش کرتا ہے وہ انسانوں کو بنیادی حقوق دلاتا ہے۔ کمزوروں کو بولنے کی طاقت عطا کرتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے عہد سے لے کر آج تک مسلمانوں نے مذہب کی خاطر جہاں کہیں بھی فوج کشی کی ہے وہاں اس نے کمزوروں کو بنیادی انسانی حقوق عطا کیے اور ان کمزوروں کو اس وقت بڑی حیرت ہوئی جب انہیں دوسروں کے برابر حقوق عطا کیے اور وہ اسلام کے گرویدہ ہوگئے کہ ان کی آواز کو اہمیت دینے والا کوئی مذہب بھی موجود ہے۔ ہندوستان پر محمد ابن قاسم کا حملہ اس کی ایک زندہ مثال ہے کہ جب یہاں کے شودروں کو انسانی حقوق ملے تو وہ حیرت زدہ ہو کر اسلام کے وائرے میں داخل ہوگئے۔ (۱۵)

دنیا میں دو گروہ موجود رہے ہیں، ایک نے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کے تحت حکومت کی اور بنی نوع انسان کو اپنے تابع فرمان بنائے رکھا ایک طبقے کو غلام بنائے رکھا اور خود آقا بن گئے۔ دوسرے گروہ نے اللہ کے بنائے قوانین کے تحت ان الحکم الا للہ (۱۶) کا نعرہ لگایا۔ ان دونوں گروہوں میں پہلے دن سے تصادم جاری رہا ہے۔ پہلے گروہ کے نظام کے نتیجے میں افراتفری، خودغرضی، ظلم وستم، استحصال، بدامنی اور سیاسی و معاشرتی بے چینی پھیلی، لوگوں کے حقوق غصب کیے گئے تو وہ حکمرانوں کے خلاف ہوگئے۔ حکمرانوں اور عوام کے درمیان فاصلے بڑھے۔ فاصلے بڑھنے سے ان دونوں گروہوں میں نفرتیں بڑھیں اور لوگوں نے حکمرانوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور بدامنی پیدا ہوئی۔ اسلام الٰہی مملکت قائم کر کے اس افراتفری کا خاتمہ کرتا ہے۔

ظلم سے نجات اور عدل و انصاف کی فراہمی، کمزوروں کی خیر خواہی پر مبنی ایک نظام کا قیام انبیائے کرام کی سنت ہے، سورۃ الحدید کی آیت نمبر ۲۵ میں اس بات کی طرف اشارہ موجود ہے کہ انبیائے کرام کی بعثت کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ انبیاء لوگوں کو ظلم اور انسانوں کے استحصالی نظام سے نجات دلانے کے لیے مبعوث کیے گئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دلائی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

﴿ و اذنجینکم من الِ فرعون یسومونکم سوء العذاب یذبحون ابناء کم و یستحیون نساء کم و فی ذالکم بلاء من ربکم عظیم ﴾ (۱۷)

''اور جب ہم نے فرعون کے ساتھیوں سے تمہیں نجات دلائی وہ تمہیں برے عذاب میں مبتلا کرتے تھے۔ وہ تمہارے بیٹوں کو قتل کر دیتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی۔''

اس کے بعد سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۵۱ میں ہے۔ جالوت سے حضرت داؤد علیہ السلام نے لوگوں کو نجات دلائی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۵۱ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس اصول کا ذکر کیا ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہی بعض لوگوں کے فساد کو جہاد کے ذریعے ختم کرتا رہا ہے۔

﴿ولو لا دفع اللّٰہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض﴾

''اگر اللہ کا یہ طریقہ نہ ہوتا کہ وہ ایک کے فساد کو دوسرے سے ختم نہ کرواتا تو زمین میں فساد برپا ہو جاتا۔''

یعنی ایک گروہ اگر فساد برپا کرتا ہے تو دوسرے کو حکم دیا گیا کہ وہ طاقت کے ذریعے اس فساد کو ختم کرے۔

اللہ کا قانون یہ ہے کہ جب برائی زور پکڑنے لگتی ہے تو اللہ تعالیٰ اہل حق کا ساتھ دے کر بدی کا زور توڑ دیتے ہیں۔ اہل حق تعداد میں تھوڑے ہوں یا زیادہ اس کی اہمیت زیادہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے قطع نظر حق والوں کی مدد کرتا ہے اور بدی کا زور توڑ دیتے ہیں۔

جہاد وہ قوت ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ حق و باطل کے معرکے میں اہلِ حق کی مدد کرتے ہیں اور برائی کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیتے ہیں۔ برائی کے ختم ہونے کا اگر یہ قانون موجود نہ ہوتا تو باطل قوتیں کبھی بھی حق کو جینے نہ دیتیں نہ ہی ان کے عبادت خانے باقی رہتے۔ مسلمانوں کو جہاد کی اجازت اسی قانون کے مطابق دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ باطل کا سر کچل دے۔ اسی قانون کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہر زمانہ میں مشرکوں کے غلبہ کو روکا اور اہلِ حق کو ان سے بچا لیا۔ (۱۸)

سورۃ الحج کی آیت نمبر ۴۰ کے تحت مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں کہ اللہ نے دنیا کا نظام رکھا ہی ایسا ہے کہ ہر چیز، ہر شخص یا ہر جماعت دوسری چیز، شخص یا جماعت کے مقابلے میں اپنی حیثیت اور ہستی برقرار رکھنے کے لیے جنگ کرتی رہی ہے، اگر ایسا نہ ہوتا اور نیکی کو اللہ تعالیٰ اپنی حمایت میں لے کر بدی کے مقابلے میں کھڑا نہ کرتا تو نیکی کا نشان دنیا میں باقی نہ رہتا۔ بد دین اور شریر لوگ جن کی ہر زمانہ میں کثرت رہی ہے تمام مقدس مقامات اور یادگاریں ہمیشہ کے لیے صفحۂ ہستی سے مٹا دیتے۔ کوئی عبادت گاہ، تکیہ، خانقاہ، مسجد، مدرسہ محفوظ نہ رہ سکتا۔ اس بنا پر ضروری ہوا کہ بدی کی طاقتیں خواہ کتنی ہی مجتمع ہو جائیں، قدرت کی طرف سے ایک وقت آئے جب نیکی کے مقدس ہاتھوں سے بدی کے حملوں کی مدافعت کرائی جائے اور اللہ اپنے دین کی مدد کرنے والوں کی خود مدد فرما کر ان کو دشمنانِ حق و صداقت پر غالب کرے۔ برائی کے خاتمے کے اصول اور مقصد کے تحت اللہ نے ظالم کافروں کے مقابلے میں مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دی۔ فساد کا خاتمہ کرنا عقلی اعتبار سے بھی ضروری ہے۔ یہ ایک عام قانون ہے جس کا انکار کوئی عقل مند شخص نہیں کر سکتا۔ اگر فسادیوں کے مقابلے طاقت کے ساتھ مدافعت و حفاظت کا قانون نہ ہوتا تو ہر زمانہ میں کسی کی عبادت گاہ محفوظ نہ رہتی۔ ظاہر ہے جب عبادت گاہیں باقی نہ رہتیں تو عام آبادیاں بھی محفوظ نہ رہ سکتیں۔ مولانا عثمانی لکھتے ہیں کہ پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کو ظلم کے خلاف اپنے دفاع کی اجازت نہ دی جاتی۔ جہاد سے یہی مقصد پورا ہوا۔ (۱۹)

مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کا نظام برقرار رکھنے کے لیے یہ ضابطہ بنا رکھا ہے کہ وہ انسانوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مختلف گروہوں کو ایک خاص حد تک تو زمین میں غلبہ و طاقت حاصل کرنے دیتا ہے۔ مگر جب کوئی گروہ حد سے بڑھنے لگتا ہے تو کسی دوسرے گروہ کے ذریعے سے وہ اس کا زور توڑ دیتا ہے۔ اگر کہیں ایسے ہوتا کہ ایک قوم اور ایک پارٹی ہی کا اقتدار زمین میں ہمیشہ قائم رکھا جاتا اور اس کی قہرمانی لازوال ہوتی تو یقیناً اللہ کے ملک میں فسادِ عظیم برپا ہوجاتا۔ (۲۰)

نبی کریم ﷺ کو مکہ مکرمہ میں مسلسل اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مدینہ طیبہ میں بھی منافقوں اور یہودیوں کی سازشوں کے نتیجے میں مشکل حالات درپیش رہے۔ آپ ﷺ کو اپنی وفات سے تھوڑا عرصہ قبل ہی جنگی لباس اتارنے کا موقع ملا۔ جس ہستی کو اس قدر مشکلات، مسلسل عداوتوں، ظلم وستم اور سازشوں کا سامنا کرنا پڑا ہو، اسے تو بڑا منتقم مزاج ہوجانا چاہیے تھا۔ دنیوی لیڈروں میں دیکھا گیا ہے کہ جس شخص کو سخت حالات کا سامنا کرنا پڑا وہ جب میدان جنگ میں اترا تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور قتل و غارت کی اس نے انتہا کردی۔ لیکن نبی کریم ﷺ کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ آپ نے جنگوں میں اخلاق کا مظاہرہ کرنے کا حکم دیا۔ (۲۱) اُحد کی جنگ میں آپ ﷺ کو شدید طور پر زخمی کردیا گیا۔ آپ سے کہا گیا کہ آپ ان لوگوں کے لیے بددعا کریں، آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اللہ نے لعنت کرنے والا اور ملامت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا۔ بلکہ مجھے داعی اور رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ یہ جانتے نہیں ہیں۔'' (۲۲) آپ کے اس رویے سے ہی ہم اسلام کے تصور جنگ کو سمجھ سکتے ہیں۔ کہ اگر کشور کشائی رعب و دبدبہ جمانا یا انتقام لینا یا کوئی اور مقصد پیش نظر ہوتا تو آپ بھی دشمنوں کو تہس نہس کرنے کا حکم دیتے۔ آپ ﷺ نے جنگیں خونریزی کے لیے نہیں کیں بلکہ امن قائم کرنے کے لیے لڑیں۔

دنیا میں جس قدر ظلم روا رکھا جاتا ہے، کمزوروں اور بے بسوں پر جس طرح دست درازی کی جاتی ہے، انسانی حقوق کو جس طرح پامال کیا جاتا ہے اور اخلاقی اور مذہبی قدروں کو جس طرح ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے وہ اس امر کی متقاضی ہے کہ طاقت استعمال کرکے ظلم و جور کی ہر صورت کو ختم کردیا جائے، چنانچہ جنگ انسانی زندگی کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ اگر ظالم اپنے ظلم کو برقرار رکھنے کے لیے لڑتا ہے تو مظلوم اس ظلم کو ختم کرنے اور حق کی بالادستی قائم رکھنے کے لیے بدرجہ اولیٰ لڑ سکتا ہے اور اسے لڑنا چاہیے۔

فتح مکہ کے موقع پر شکست خوردہ کفار آپ ﷺ کے سامنے کھڑے تھے۔ ان کفار کو اپنے بارے میں کسی خیر کے فیصلے کی امید نہ تھی۔ آپ ﷺ نے ان سے صرف ایک سوال کیا۔ اے اہلِ قریش! تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ انہوں نے کہا کہ ہم آپ سے بہت اچھے طرزِ عمل کی توقع رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ ایک اچھے بھائی اور ایک شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔'' آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ میں تم سے وہی کہوں گا جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا: لا تثریب علیکم الیوم یغفرا اللہ لکم و ہو ارحم الراحمین۔ اذھبوا انتم الطلقاء۔ (آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں۔ اللہ تمہیں معاف کرے وہ نہایت رحم کرنے والا ہے، جاؤ تم میری طرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے آزاد ہو)۔(۲۳)

اسلام، جنگ کو اسی حد تک گوارا کرتا ہے جب تک امن و سکون قائم کرنے کے لیے اس کی ضرورت ہو۔ اسلام کے نزدیک جنگ ایک عارضی امر ہے جن قباحتوں کے تدارک اور استحصال کے لیے جنگ کی جائے، ان کے تدارک کے بعد اسلام ایک لمحہ بھر کے لیے جنگ کی کیفیت جاری رکھنے کے حق میں نہیں ہے۔ جب فریقِ مخالف جنگ ختم کر کے مسلمانوں سے امن کا خواہش مند ہو جائے، اس وقت اسلام بھی اجازت دیتا ہے کہ وہ صلح کی طرف مائل ہو جائیں۔ سورۃ الانفال کی آیت نمبر ۶۱ میں فرمایا:

﴿و ان جنحوا للسلم فاجنح لها و توکل علی اللّٰہ﴾

''اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی صلح کی طرف جھک جائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں۔''

سورۃ محمد میں اسلام کے تصور جہاد کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے۔

﴿فلا تهنوا و تدعوا الی السلم و انتم الا علون و اللّٰہ معکم﴾(۲۴)

''تم ہمت نہ ہارو اور نہ ان سے صلح کی درخواست کرو، تم ہی غالب آنے والے ہو۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔''

اسلام اندھا دھند دشمنی اور جارحیت کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ جارحیت کو کچلنے اور ظالم کو راہ راست پر لانے کے لیے طاقت کے استعمال کا حامی ہے۔ اگر دورِ حاضر کی جنگوں کا مشاہدہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ لاکھوں انسانوں کو دشمنی اور انتقام کا نشانہ چشم زدن میں بنا دیا جاتا ہے۔ اسلام انسانوں کی اس طرح ہلاکت کی اجازت نہیں دیتا۔ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۹۴ میں فرمایا:

﴿فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدیٰ علیکم﴾

''جس نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہو، تم بھی اس کے خلاف اسی قدر کارروائی کر سکتے ہو جس قدر اس نے تمہارے اوپر زیادتی کی ہو۔''

دوسرے مقام پر سورۃ البقرۃ کی ہی آیت نمبر ۱۹۰ میں فرمایا:

﴿وقاتلوا فی سبیل اللّٰہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللّٰہ لا یحب المعتدین﴾

''اللہ کی راہ میں ان سے جہاد کرو جو تم سے لڑائی کرتے ہیں اور ان پر زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

اس آیت مبارکہ میں وقاتلوا میں مقاتلہ کا مفہوم یہ اشارہ کرتا ہے کہ جب دوسرا فریق تمہارے ساتھ لڑنے پر اتر آئے تو پھر تم بھی اس کے خلاف لڑو۔ گویا اگر وہ تمہارے ساتھ جنگ نہیں کرنا چاہتا تو پھر تم امن کی حالت میں رہو۔ اسی طرح کا اشارہ یقاتلونکم میں بھی موجود ہے۔ گویا جہاد انہی لوگوں کے خلاف ہوگا جو مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہوں جو لوگ بلا واسطہ یا بالواسطہ جنگ میں ملوث ہوں انہی کے خلاف اقدام ہوگا۔ جو لوگ ہتھیار نہیں اٹھاتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے ساتھ امن میں رہا جائے گا۔

سورۃ الشوریٰ میں فرمایا:

﴿ولمن انتصر بعد ظلمه فا ولئك ما عليهم من سبيل انما السبيل على الذين يظلمون الناس و يبغون في الارض بغير الحق اولئك لهم عذاب اليم۔﴾ (الشوریٰ۔ ۴۱۔۴۲)

اور جس پر ظلم ہوا ہو اگر وہ اس کے بعد انتقام لے تو ایسے لوگوں پر کچھ الزام نہیں ۔ الزام تو ان لوگوں پر ہے جو انسانوں پر ظلم کرتے ہیں اور ملک میں ناحق فساد پھیلاتے ہیں ۔ یہی لوگ ہیں جن کیلئے دردناک عذاب ہے ۔

قرآن مجید میں کافروں کے تین درجات کا ذکر ہے:

۱۔ وہ کافر جو مسلمانوں کے خلاف براہ راست تصادم کی حالت میں ہیں ۔

۲۔ وہ کافر جو براہ راست یا بالواسطہ کسی طور پر مسلمانوں سے متصادم نہیں بلکہ غیر جانب دار ہیں ۔

۳۔ وہ کافر جو مسلمانوں کے معاہد ہیں ۔

سورۃ الممتحنہ کی آیت نمبر 8 میں فرمایا:

﴿لا ینھٰکم اللّٰہ عن الذین لم یقاتلو کم فی الدین و لم یخر جو کم من دیار کم ان تبروھم و تقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین۔﴾

''اللہ تعالیٰ تمہیں منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین کے معاملے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا تم ان سے سلوک و احسان سے پیش آؤ اور ان سے عدل کا معاملہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ۔''

اسلام محاربین کو بھی دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے ۔ ایک وہ جو باقاعدہ جنگ میں حصہ لے رہے ہیں دوسرے وہ جو عملاً جنگ نہیں کر رہے ۔ اہل قتال وہ ہیں جو جنگ میں حصہ لیتے ہیں یا عقلاً اور عرفاً حصہ لینے کی قدرت رکھتے ہیں ۔ یعنی جوان مرد ہیں اور غیر اہل قتال وہ ہیں جو عرفاً اور عقلاً جنگ میں حصہ نہیں لے سکتے یا عموماً حصہ نہیں لیا کرتے ۔ مثلاً عورتیں ، بچے ، بوڑھے ، بیمار ، زخمی ، اندھے ، مقطوع الاعضاء ، مجنون ، سیاح ، خانقاہ نشین ، زاہد ، مندروں کے مجاور وغیرہ ۔ اسلام نے جنگ کی صورت میں پہلی قسم کے لوگوں کو قتل کرنے کی اجازت دی اور دوسری قسم کے لوگوں پر دست درازی سے منع کر دیا ۔ (۲۵) ایک دفعہ آپ ﷺ نے ایک عورت کی لاش میدان میں پڑی دیکھی آپ ﷺ ناراض ہوئے اور فرمایا یہ تو لڑنے والوں میں شامل نہ تھی ، (۲۶) آپ ﷺ نے فرمایا عورت اور اجیر کو ہرگز قتل نہ کرو ۔ (a۲۶) آپ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کے قتل کی سختی سے ممانعت فرمادی ۔ (b۲۶) آپ ﷺ نے فرمایا کسی بوڑھے ضعیف کو قتل نہ کرو نہ ہی چھوٹے بچے اور عورت کو قتل کرو ۔ (c۲۶) ابن عباسؓ سے روایت ہے جب رسول اللہ کسی فوج کو بھیجتے تو ہدایت فرماتے کہ معاہد کے بے ضرر خادموں اور خانقاہ نشینوں کو قتل نہ کرنا ۔ (۲۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نبی اکرم ﷺ کے تصور جہاد کو فتح مکہ کی روشنی میں بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ جہاد برائے امن کی اس سے بڑی مثال شاید ہی موجود ہو۔ فاتحانہ انداز سے مکہ میں داخل ہونا جبکہ دشمن مکمل طور پر شکست تسلیم کر چکے تھے تو اس وقت اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرنا جہاد کے عظیم مقصد کی مثال ہے۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر واضح طور پر فرمایا کہ کسی زخمی پر حملہ نہ کرنا۔ کوئی جان بچا کر بھاگے تو اس کا تعاقب نہ کرنا۔ جو اپنا دروازہ بند کرلے اسے امان دے دینا۔ اس کے علاوہ کچھ مقامات کی نشاندہی کردی کہ جو شخص خانہ کعبہ میں آجائے اسے کچھ نہ کہا جائے، جو ابوسفیان کے گھر میں آجائے اس پر دست درازی نہ کی جائے۔ (۲۸)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے جب رسول اللہ ﷺ جہاد کے لیے لشکر روانہ فرماتے تو انہیں حکم فرماتے:

"اخرجوا باسم اللّٰہ تعالیٰ تقاتلون فی سبیل عن کفر باللّٰہ لاتغدروا ولا تغلوا ولا تمثلو و لا تقتلوا لولدان ولا اصحاب الصوامع۔ "(۲۹)

''اللہ کا نام لے کر روانہ ہوں۔ جن لوگوں نے کفر کیا ان کے خلاف اللہ کی راہ میں جہاد کریں، کسی کو دھوکہ نہ دیں۔ امانت میں خیانت نہ کریں، کسی کی شکل قتل کرنے کے بعد نہ بگاڑیں، بچوں کو قتل نہ کریں، نہ ہی ان لوگوں کو قتل کریں جو عبادت گاہوں میں قیام پذیر ہوں۔''

حضرت ابوبکر صدیقؓ اس موقع پر فرمایا کرتے تھے:

﴿ولا تقتلن امراة و لا صبية ولا کبیرا﴾ (۳۰)

''عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کریں۔''

نبی کریم ﷺ نے ہمیشہ امن کے لیے جنگ کی۔ اگر صلح حدیبیہ کے نقشے کو ذہن میں رکھیں تو آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اس موقع پر آپ ﷺ کے ساتھ ایک لشکر عظیم تھا۔ کفار کے رویے کی وجہ سے مسلمان کفار کے خلاف مشتعل بھی تھے۔ جنگ کے لیے اس ماحول سے بہتر ماحول شاید ہی کوئی ہو۔ صلح نامے پر بعض مسلمان اتنے خوش بھی نہ تھے۔ اگر آپؐ چاہتے تو کفار پر حملہ کرسکتے تھے لیکن آپؐ نے امن پسندی کا ثبوت دیا اور جنگ نہیں کی۔

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی لکھتے ہیں، اسلامی جنگ کا مقصد لوٹ مار اور لوگوں کو ذلیل کرنا نہیں ہے بلکہ اس طرح کے مقاصد کے تحت جنگ کرنا حرام اور ممنوع ہے۔ اسلام میں صرف وہی جنگ جائز ہے جو ان مقاصد میں سے کسی ایک مقصد کے لیے لڑی جائے۔

۱۔ قوم کے اخلاق اور نظریات کے دفاع کی خاطر

۲۔ قوم کی حریت، استقلال اور سلامتی کے بچاؤ کے لیے، اس سلسلے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے

﴿وقاتلو هم حتیٰ لا تکون فتنة و یکون الدین کله لِلّٰہِ﴾ (۳۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے مقام پر بھی الفاظ کے فرق سے یہ مضمون بیان ہوا ہے۔

''تم اس وقت تک لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے۔''

اس شکل میں علان جنگ کرنے والی قوم کے لیے محض اپنے عقیدے کی حریت مطلوب نہیں ہے بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ عقائد کی حریت وآزادی کی ضمانت بھی دے اور سارے مذاہب کی عبادت گاہوں کی حفاظت کی بھی ضامن ہو۔ اس سلسلے میں سورۃ الحج کی آیت نمبر 40 میں فرمایا:

﴿ولو لا دفع اللّٰہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع و بیع و صلوٰت و مساجد یذکر فیھا اسم اللّٰہ کثیراً۔﴾

اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو عیسائی راہبوں کی عبادت گاہیں اور گرجے اور مسجدیں جن میں اللہ کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے، منہدم کر دی جاتیں۔

ہماری تہذیب کے تابناک اصول کا یہ ایک انتہائی روشن پہلو یہ ہے کہ اس نے جس طرح ہم پر یہ فریضہ عائد کیا ہے کہ ہم اپنی عزت وحریت پر کوئی آنچ نہ آنے دیں اسی طرح ہمارے لیے یہ بھی لازم قرار دیا گیا ہے کہ دوسرے کمزور اور مظلوم گروہوں اور طبقوں کی دستگیری کرتے ہوئے ان پر کیے جانے والے مظالم کے مقابلہ میں ان کا دفاع کریں۔

﴿وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللّٰہ و المستضعفین من الرجال و النساء و الولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہِ القریۃ الظالم اھلھا و اجعل لنا من لدنک ولیا و اجعل لنا من لدنک نصیراً۔﴾(۳۲)

جو قوم امن وسلامتی سے رہنا ہی نہ چاہے اور ہر وقت جارحیت پر آمادہ ہو تو اس صورت میں یہ بات ناگزیر ہو جاتی ہے کہ اپنے آپ کو اس کی جارحیت سے بچانے کے لیے تیاری کی جائے۔ اگر کوئی قوم ہر وقت دفاع کے لیے اپنے آپ کو تیار نہیں رکھتی تو جارحیت پسند قوم کسی بھی وقت جارحیت کا ارتکاب کر دے گی۔ اسی صورتِ حال سے بچنے کے لیے قرآن مجید کہتا ہے؛

﴿واعدولھم ما ستطعتم من قوۃ و من رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللّٰہ و عدو کم۔﴾ (الانفال:۶۰)

''اور جہاں تک ہو سکے قوت وطاقت حاصل کر کے اور گھوڑوں کی تیاری سے ان کیلئے مستعد رہو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں پر ہیبت بیٹھی رہے۔''

اگر جارحیت پسند قوم اپنے عزائم سے باز آجائے تو تم بھی اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرو، اگر وہ جارحیت سے باز نہ آئے اور قوت کا مظاہرہ کرنے پر ہی تلی رہے تو تم بھی اپنے دفاع میں ڈٹ جاؤ۔ کیونکہ طاقت کے سامنے شرافت دکھانا بزدلی ہوتی ہے۔ قوت کو قوت ہی سے روکا جا سکتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے

© rasailojaraid.com